ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ڈاکٹر شگفتہ فردوس

اسسٹنٹ پروفیسر ،ڈائریکٹر سٹوڈنٹ افیرز ،جی سی ویمن یونیورسٹی، سیال کوٹ

بیم ورجا کے تناظر میں وزیر آغا کی شاعری کا تجزیاتی مطالعہ

Dr. Shagufta Firdous
Assistant Professor /Director Student Affairs, GC Women University, Sialkot.

Analytical study of Wazir Agha's Poetry in the Context of Bem wa Reja

Wazir Agha is the name of a versatile and committed person, whose experiences and observations have benefited the literary world. He made his mark in poetry and other genres of literature and gave a new direction to poetry in the cultural context. His poetry reflects many aspects of life with love for his land. It described the collapse of cultural foundations and changes in social attitudes. Reflecting on these issues, a mixture of hope and despair emerges in Wazir Agha's poetry. In this research paper, his poetry is analyzed in this context.

Keywords: *Optimism, pessimism, poetry, cultural context, social attitudes.*

وزیر آغا ایک کثیر المطالعہ ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے۔ ان کی بے پناہ تخلیقی صلاحیتیں غزل، نظم، منظوم آپ بیتی، مکتوب و مضمون نگاری، انشائیہ، سفر نامہ، تحقیق، تدوین انتقید اور دیگر اصناف ادب میں کھل کر سامنے آئیں۔ ان متنوع تخلیقی جہتوں میں وزیر آغا نے اپنے انفرادی فکر سے کشور ادب کو سجانے اور سنوارنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ارضی ثقافتی تحریک کے بنیاد گزاروں میں اولین حوالہ ہیں۔ ارضی انسلاک یا دھرتی سے وابستگی ان کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔ ان کے نزدیک شاعری کا مزاج کسی بے جان یکتائی کا پابند نہیں بلکہ شخصی، تہذیبی اور ثقافتی عوامل کے انضمام سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ اجتماعی لاشعور کو ثقافتی ارض سمجھتے ہوئے تاریخ، تہذیب اور کلچر کے سارے مضمرات اس میں شامل کرتے ہیں۔ وزیر آغا کی شاعری ان کے ثقافتی شعور کو بھی منعکس کرتی ہے ان کی تحریریں ان کی شخصیت کی ترجمان ہیں۔ انہوں نے شاعری کو اپنے باطن کے اظہار کی ایک ایسی صورت عطا کی جس میں زمین سے محبت کے حوالے سماج سے جڑنے سے تشکیل پاتے ہیں،انہی سماجی و ثقافتی عناصر کی چھاپ ان کی نظموں میں دکھائی دیتی ہے، اُن کی شاعری زندگی کے تجربات کا عکس پیش

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

کرتی ہے جس میں بیم و رجا کے ملے جلے رنگ ملتے ہیں ۔ وزیر آغا نے اپنے سماج میں بسنے والے لوگوں کے رہن سہن، رسم و رواج، امتیازات، تصورات، فنون، اقدار و امنگوں کو اپنے شعری پیکر میں سمو کر قاری تک پہنچایا ۔ رشید امجد نے ان کی شاعری کے اسی وہ سماجی و ثقافتی تعامل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے ء:

> " اُن کے افکار و نظریات میں سماجی و ثقافتی عمل ایک زندہ شے ہے۔ وہ انسانی عظمت کی تکمیل کو محض فکری یا انسانی سطح پر محسوس کرنے کی بجائے انسان کو ایک متحرک سماجی قوت تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان کی نظموں میں فکر اور خیال کی بلند پروازی کے باوجود زمین کی نفی نہیں ہوتی۔ "(۱)

اسی تہذیبی و ثقافتی انسلاک بیم ورجا کی ملی جلی کیفیات کو اپنی شاعری میں سمو کر بیان کرنے والے وزیر آغا ۱۸ مئی ۱۹۲۲ء بمطابق ۲۱ ر مضان المبارک ۱۳۴۰ ہجری میں تحصیل سرگودھا کے ایک دور افتادہ گاوں وزیر کوٹ میں پیدا ہوئے اور ۷ ستمبر ۲۰۱۰ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ انہوں نے جب شاعری کا آغاز کیا تو اپنی شناخت ظاہر نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیے قلمی نام "نصرت آرا نصرت" اور "نصیر آغا" کے نام سے شاعری چھپواتے رہے، ان کی شاعری کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی اس لیے بعد ازاں انہوں نے اپنی شناخت ظاہر کی۔ انہوں نے غزل اور نظم دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی۔ ان کی زندگی میں اُن کے متعدد شعری مجموعے شائع ہوئے جن میں شام اور سائے ،(نظمیں ۱۹۶۴ء) دن کا زرد پہاڑ (نظمیں اور غزلیں، ۱۹۶۹) غزلیں (۱۹۷۳)ء، نردبان(۱۹۷۹ء)، آدھی صدی کے بعد (طویل نظم ،۱۹۸۱ء) ، گھاس میں تتلیاں ،(۱۹۸۵ء)، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل (۱۹۹۱ء) ان کا کلیات غزل اور نظم بھی منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔،اک کتھا انوکھی،(۱۹۹۲ء)، یہ آواز کیا ہے، نظمیں اور غزلیں (۱۹۹۵ء)، عجب اک مسکراہٹ، (نظمیں ۱۹۹۷ء)، چنا ہم نے پہاڑی راستہ ،(نظمیں - ۱۹۹۹ء)، ہم آنکھیں ہیں ، (۲۰۰۱ء)، دیکھ دھنک پھیل گئی ، (۲۰۰۳)، چٹکی بھر روشنی ، (۲۰۰۵ء) ہوا تحریر کر مجھ کو ،(۲۰۰۹ء)،اور کاسۂ شام نظموں کا مجموعہ شامل ہے۔

وزیر آغا فطرت شناس اور اس کے مداح تھے، اس لیے زمین سے وابستہ پھول پتے، درخت، ندی نالے، دریا، جھرنے، ان کی شاعری میں حوالے کے طور پر ملتے ہیں۔ انہوں نے نظم اور غزل دونوں اصناف میں طبع آزمائی کی اور اپنی شاعری میں زمانے کے سرد و گرم، معاشرتی و تہذیبی تبدیلیوں پر غم کا اظہار کرتے ہوئے بعض مقامات پر نا امیدی کا اظہار بھی کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ زندگی کے حسن و جمال ، لطافت اور رنگینی کو رمزیہ اشاروں اور

پیرائیوں میں بیان کرتے ہیں۔ وزیر آغا کی شخصیت میں پنہاں رجائی عناصر انہیں اس معاشرتی رویوں سے جنم لینے والی قنوطیت سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کرتے ہیں۔ اُن کے شعری موضوعات میں ثقافتی بنیادوں کے انہدام کے ساتھ ساتھ سماجی رویوں میں تبدیلی اور آج کے دور میں انسانی زندگی کو درپیش مسائل شامل ہیں۔ ان کے اولین مجموعہ "شام اور سائے" میں ہمیں رجائیت و قنوطیت کے کچھ انداز ملتے ہیں اس مجموعے میں شامل موضوعات کا تجزیہ کرتے ہوئے پروفیسر غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

> وزیر آغا کے فکر و نظر کی ایک اہم جہت یہ ہے کہ ان کی مسرت کا نظریہ ایک سامی النسل فرد کا ہے۔ ان کے مزاج میں سامی مزاج کے رجحانات غالب نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری میں "باصرہ" کے متعلق امیجز کی فراوانی، روشنی اور نور کی تلاش، تاریکی اور اندھیرا کا خوف، جنگل کی فضا، تہذیب الارواح کے دور کے معاشرے کے متعلقات کا بار بار ذکر، اس حقیقت کا ناقابل تردید ثبوت ہیں۔" (۲)

اس شعری مجموعے میں اُنہوں نے مادی ترقی کے اس دور میں روحانی کرب و انتشار کے شکار ہونے والے انسان کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا جس پر اس عہد کے منفی اثرات نے معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس لیے عصرِ حاضر کے انسان کا باطنی کرب وزیر آغا کی شاعری میں شدت سے محسوس کیا جاسکتا ہے۔ مادی ترقی کی بنا پر زمین پر ہونے والی ماحولیاتی تبدیلیوں اور اس کے منفی اثرات کو وہ اپنی نظم "چیل" میں بیان کرتے ہوئے شہروں کی زہر آلود فضا کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

چمنی کا بل کھاتا دھواں اک دھبّہ بن کر
جُھک سا گیا ہے
دھبّے کے پنجوں سے نکل کر
چیختے، ہنستے طوطوں کی اک ڈار کہ یک دم سہم گئی ہے
جامن کے اک جھنڈ پہ گر کر ختم ہوئی ہے۔ (۳)

وزیر آغا کے نزدیک اس مادی ترقی کی دوڑ میں نچلا طبقہ زیادہ متاثر ہوتا ہے اور ان کی زندگیاں گوناگوں مسائل کا شکار ہو رہی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ وہ طبقاتی سماج ہے جس میں امیر پہلے سے زیادہ امیر تر اور غریب، غریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ ان کا شہری اور دیہاتی زندگی کا عمیق مشاہدہ تھا جس کے تحت انہوں نے طبقاتی س ناانصافیوں کے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

خلاف نظمیں تحریر کیں۔ وہ اس طبقاتی تفریق کو مٹا دینے کے متمنی تھے۔ غیر طبقاتی سماج کے قیام کا اظہار پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اُن کی نظم "دھرتی کی آواز" میں ہمیں ان کے دل میں موجود کرب اور اس کا طنزیہ اظہار ملتا ہے:

بادلو! دھند کے مانند بکھرنا سیکھو
یہ بھی کیا اوجِ ثریّا پہ گرجتے رہنا
زخمی چیتے کی طرح خود پہ بگڑتے رہنا
یا تو آنا ہی نہ دھرتی کی عیادت کے لئے
اور اگر آنا تو اک برق سی بن کر آنا
کسی نادار کے خرمن کو جلانے کے لئے
کسی مفلس کی ٹھٹھرتی ہوئی کٹیا کے قریب
اس کے معصوم سے بچے کو بھسم کر جانا(۴)

وزیر آغا نے ان لوگوں کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے جو اپنے آج میں جیتے ہیں، انہیں ذخیرہ اندوزی کی فکر لاحق نہیں ہوتی بلکہ وہ پرندوں کی مانند صرف اُس دن کے رزق پر گزارہ کرتے ہیں اور آنے والے کل سے مایوس نہیں ہوتے۔ شاعر انہیں ان پرندوں کی مانند قرار دیتا ہے جو محض آج کی فکر کرتے ہیں اور کل کا بھروسہ انہیں اپنے رب پر ہے، جو انہیں مایوس نہیں لوٹاتا:

روزی دن کی آج ملے بس یہ ان کی فریاد
دہقاں کو ہے غم فردا کا، یہ اس سے آزاد(۵)

دن کا زرد پہاڑ" م۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آیا اس میں شامل بیشتر نظمیں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد لکھی گئیں اس لیے ان نظموں میں دھرتی سے لگاؤ اور اس کے اُجڑنے کا دکھ بھی م عیاں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں اس جنگ اور اس کے نتیجے میں ملک پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا جائزہ لیا ہے۔ اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

رات ڈھلتی ہے تو چاند
زہر میں ڈوبی نگاہوں سے ہمیں گھورتا ہے
اور پھر جیسے اشارے سے بلاؤں کو بلا لیتا ہے
خندقیں

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

شام سے منہ کھولے ہوئے بیٹھی ہیں
شب کے منحوس پرندے کے پروں کی آواز
جب اُبھرتی ہے تو یہ خوف سے تھّراتی ہیں
ہر طرف کرب میں گوندھی ہوئی تاریکی ہے
کھیت زہریلی نگاہوں سے ہوئے ہیں چھلنی
اور ہم چھوٹی سی تاریک سی اک خندق میں
اپنے پر بچوں پہ پھیلائے ہوئے بیٹھے ہیں۔[۶]

انہوں نے اپنی نظموں مین جن معاشرتی رویوں پر مایوسی کا اظہار کیا اُن میں سے ایک وقت کی تیز رفتاری کے باعث انسانوں کا دوسرے انسانوں سے رابطہ منقطع ہونا بھی ہے، وہ نئی صدی میں گزری ہوئی صدی کے غم کو ڈھال کر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جُھلسے ہوئے کھیتوں، کھلیانوں
گنبدوں کی کرچیوں
لفظوں کی میلی دَھجیوں سے یوں اَٹی
سڑکوں کی اِس ویران دُنیا میں
مجھے تنہا اکیلے چھوڑ کر
وہ کس جہاں میں جا بسی
تُو ہی بتا[۷]

صنعتی ترقی نے جہاں سرسبز کھیتوں اور جنگلوں کو سمیٹ کر رکھ دیا وہیں انسانی حرص وہوس کی بنا پر مادیت کا ایک ایسا طوفان بھی اُٹھ کھڑا ہوا جس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔اسی لیے وزیر آغا نے شہروں کے مقابل گاوں کی فضا، اس کے لہلہاتے کھیتوں اس میں بسنے والوں کی سادگی اور اپنائیت کو اپنی شاعری میں نمایاں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی دلی وابستگی شہر کے مقابل گاوں والوں سے زیادہ رہی۔ ان کی شاعری میں شہروں میں بسنے والوں کی بے اعتنائیوں اور بے وفائی کا گلہ بھی ملتا ہے اور ماضی کی جانب مراجعت کرنے کی تمنا بھی ملتی ہے، جیسا کہ قنوطیت کا شکار ہونے والے اکثر شعرا اپنے ماضی کے دامن میں پناہ لینا پسند کرتے ہیں۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

وزیر آغا کے ہاں بھی ہمیں کہیں کہیں گزرے ہوئے لمحوں میں لاحاصل کا دکھ اور مایوسی جھلکتی دکھائی دیتی ہے، جس کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

کیا ملا مجھ کو مرے اس شہر سے جُز بے رخی
میرے تن کی خشت پر جس شہر کی بنیاد ہے
گر نہیں تیرے مقدر میں خوشی تو غم نہ کر
شاد ہو اس بات پر، یاں ہر کوئی ناشاد ہے (۸)

وزیر آغا نے زندگی کے تحرک و مسافرت کو بھی اپنی شاعری میں جگہ دی اور اس حوالے سے اس دھرتی سے جڑی تہذیب کو بھی بیان کیا ہے۔ اُن کی تحریر کردہ نظم "مسافر چلتے رہتے ہیں" میں میں بھی ہر صورت میں مسافروں کے عزم سفر اور اردوں کی مضبوطی جھلکتی ہے۔:

مسافر چلتے رہتے ہیں
یہ بنجارے
جنھیں بس چند لمحے ہی ٹھہرنا ہے
انہیں روکو نہیں
یہ موسمی آبی پرندے ہیں
جنھیں میلے پروں کے ساتھ اُڑنا ہے
انھیں رُکنا نہیں آتا
انھیں رُکنا نہیں آتا (۹)

اس طرح جہاں انہیں اپنے عہد میں ہونے والی مادی تبدیلیوں کی بنا پر بعض وجوہات کی بنا پر کہیں کہیں مایوسی اور قنوطیت کا انداز ملتا ہے ، لیکن اُن کا شمار جدیدیت پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ انہوں نے ادب کی تخلیقی صلاحیتوں کو اساطیری عناصر میں تلاش کرنے کی سعی بھی کی ہے۔ انہوں نے عصر حاضر کے مسائل کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ جس میں فرد کی تنہائی، اداسی اور بے معنویت کا احساس بھی ملتا ہے۔ وہ انسانیت کے مستقبل سے کبھی مایوس نہیں ہوئے اس لیے ان کی شاعری میں رجائیت کا رنگ بھی ملتا ہے۔ ان کے شعری مجموعے "چنا ہم نے

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

پہاڑی راستہ" کا انتساب" روشنی کے نام!" کیا گیا ہے۔ وزیر آغا نے اسی روشنی کو اپنے شعری افق پر امید کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔ اُن کی اسی تخلیقی اُپج کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"وہ لفظ کے بطون سے اپنے ذاتی تجربے کی لرزتی، ڈولتی کرن کو بیدار
کرنے کا فن جانتے ہیں۔"(۱۰)

وزیر آغا اپنے ارد گرد پھیلتی تاریکی میں امید کی کرنو کو سدا ضوبار رکھنے کی کوشش کی جس کا اظہار وہ اپنی نظم" اک تماشا بنا دیا تو نے" میں یوں بیان کرتے ہیں:

کیسے پاگل تھے ہم نہ جان سکے
گہرے بادل کے چیتھڑے سے پرے
تو بدستور جگمگاتا ہے سدا
روشنی دان کرتا جاتا ہے (۱۱)

وزیر آغا کا شعری مجموعہ "گھاس میں تتلیاں" ماضی کی بازیافت کو نمایاں کرتا ہے۔ اس مجموعے میں انہوں نے علامتوں کا بہترین استعمال کرتے ہوئے انسانی رشتوں اور کائنات میں باہم انسلاک و ادراک کو نمایاں کیا ہے۔ وزیر آغا نے اپنے منفرد اسلوب کے ذریعے آنسوؤں کو ستاروں کی مانند قرار دیا جو واپس لوٹ کے آنے والے مسافروں کو تاریکی میں دیئے کی مانند لو دیں گے:

عجب نہیں کہ مسافر پلٹ کے آ جائے
لرزتی پلکوں پہ اک دیپ سا جلا رکھنا (۱۲)

وزیر آغا نے محبت و رومانیت کے اظہار میں بھی شائستگی و مہارت سے اپنے اندر کی آواز کو خوبصورت حسینہ کے ہونٹوں اور آنکھوں کی اجلی کرن کے روپ میں پیش کرکے اُسے مستقبل کے لیے روشنی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ اس حوالے سے اُن کی نظم" اندر کے رونے کی آواز" بہت اہم ہے:

وداع کا وہ منظر میں بھولا نہیں ہوں
کبھی بھول سکتا نہیں ہوں
اُسے۔ جس کے ہونٹوں پہ تھی خود شفق موجزن
جس کی آنکھوں میں تارے کی اُجلی کرن

آنے والے زمانے کی تنویر تھی (۱۳)

محبت زندگی کا حسن اور اس کا حاصل ہوا کرتی ہے، وزیر آغا بھی محبت میں معجزوں پر یقین رکھتے تھے اُن کے نزدیک، یہ وہ معجزہ ہے جو پتھر دلوں سے بھی جذبوں کی آبشاریں بہانے پر قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے اس راہ پر چلنے والا مسافر کبھی خالی ہاتھ نہیں رہتا بلکہ اُسے ہر بار بامراد لوٹ آنے کی اُمید رہتی ہے ۔وہ جذبوں کی لو سے من سنسار کو جگمگائے رکھنے، اندھیروں کو روشنیوں میں بدلنے کے لیے پُر عزم رہنے والے شاعر ہیں:

تم بھی دیکھو پیار بھری اس دستک کا اعجاز کبھی
پتھر کے اندر چشمہ پھوٹ کے باہر نکلے گا (۱۴)

آگ ہے سینے میں تیرے معجزن تو یاد رکھ
شمع سی روشن اندھیرے گھر کی ویرانی میں ہے (۱۵)

وزیر آغا اپنے سفرِ شوق میں راستے کی مشکلات کو نظر انداز کرتے ہوئے روشنی کی تلاش میں قرنوں کے ابعاد طے کرتے ہیں جہاں وہ کبھی کشف کی اس کیفیت سے سرشار نظر آتے ہیں جہاں سارا منظر نور میں نہا کر امید ہی امید دکھائی دیتا ہے، دور دور تک تاریکیوں کا نام ونشان نہیں ملتا:

چمکتے تاروں کا وہ اژدحام ہے کہ مجھے
تلاش کرنے پر بھی آسماں نہیں ملتا (۱۶)

ڈاکٹر عرش صدیقی نے وزیر آغا کی شاعری کا تجزیہ کرتے ہوئے انہیں نظریاتی یا مصلح قرار دینے کے بجائے ان کی شعری منصب سے بخوبی آشنائی اور خوابوں کو حقیقت میں ڈھالنے کی تمنا کو ان کی رجائیت پسندی قرار دیا ہے، جس کے تحت وہ خوابوں کو تعبیر دینے اور، معاشرے کو بدل دینے کے متمنی ہیں۔ لیکن وہ ترقی پسند و اصلاح پسند شاعر نہیں ہیں۔ جب کہ وزیر آغا نے اپنے نظریہ شعری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ:

"اعری اور اس کے ماحول کا رشتہ کچھ یوں ہے کہ شاعری نہ صرف اپنے ماحول کے اجتماعی کردار (Collective Self) کے اس خواب کو اُجاگر کرتی ہے، جو زود یا بدیر حقیقت میں ڈھل کر معاشرے کو بدل دیتا ہے بلکہ اپنے عہد اور زمانے کے افکار کو بھی اپنے اندر سمو لیتی ہے۔" (۱۷)

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ڈاکٹر مظفر حنفی نے وزیر آغا کو نئی نظم کا صف اول کا ممتاز شاعر کہا ہے جن کی شاعری میں علامت نگاری، پیکر تراشی، تہذیبی ارتقا اور امیجزی کی بہترین مثالیں ملتی ہیں :

ان کی نظموں میں فکر کی گہرائی بھی ہے اور تخیل کی شادابی بھی۔۔۔ ان کی نظموں میں انسانی زندگی اور کائنات کا تصادم و مصالحت نیز تہذیبی ارتقا کے تسلسل کا گہرا احساس ملتا ہے۔ پیکر تراشی پر جیسی قدرت وزیر آغا کو حاصل ہے۔ ان کے بہت سے ہمعصر نظم گو اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ سیال و جامد، پیچ در پیچ پیکروں کا ایک لامتناہی سلسلہ وزیر آغا کی نظموں میں ٹھاٹھیں مارتا ہے۔"(۱۸)

وزیر آغا کی شاعری میں رجائیت کا سرچشمہ خود اُن کے باطن سے پھوٹتا ہے، تلخیِ دوراں کے مقابل ڈٹ جانے والوں میں سے ہیں گی کی ت مندی سے مقابلہ کرنے کا پیغام دیتے ہیں۔، حوصلہ مندی و جرات رندانہ ان کی شاعری کو وہ وصف خاص عطا کرتا ہے جس کے تحت وہ خود کو کبھی شکست خوردہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کے دل میں ایک نیا عزم و حوصلہ پیدا ہوتا ہے:

میں نہیں ہارا تو میرے حوصلے کی داد دے
اک نیا عزم سفر اس خستہ سامانی میں ہے (۱۹)

وزیر آغا کے ہاں کوئی بھی چیز بے جان نہیں، انہوں نے ہر چیز کو ذی روح تصور کرتے ہوئے اس کے گرد جذبات کا خوبصورت دائرہ بنا دیا ہے۔ ہوا، زمین، پھول کی علامتیں اپنے پس منظر میں مکمل تفہیم کا نظام رکھتی ہیں۔ ان کی شاعری ہر خزاں کے بعد بہار کی آمد کی نوید سناتے ہوئے قدرت کے نمو کے اصول کی جانب متوجہ کرتی ہے۔ جس پر برسنے والی بارش زمیں کو بہار کا مژدہ سناتی ہے

شبنمیں گھاس، گھنے پھول، لرزتی کرنیں
کون آیا ہے خزانوں کو لٹانے والا(۲۰)

ہر خزاں کے بعد بہار کے اصول فطرت سے وزیر آغا بخوبی آشنا ہیں۔ اسی لیے نظم " پت جھڑ " میں اپنے قاری کو خاموشی کی زبان میں بہار کی آمد کا مژدہ سناتے ہیں:

چونکاؤ تو ہر بُنِ مُو میں
ذوقِ نمو ہے، رقصِ شرر ہے

ذرہ ذرہ ایک نگر ہے (۲۱)

وزیر آغا کی شاعری میں مدافعتی قوت ایک نمایاں رجائی پہلو ہے۔ حوادث کی یورش یا ضم میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ویسے ہی ان کی شاعری میں مدافعت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ وہ اپنی دھرتی سے وابستہ ذرخیزیاں بڑھا کر اسے ثمر ور کرنے کی آرزو رکھتے ہیں، اس طرح ان کی شاعری میں طمانیت کا رنگ پیدا ہوتا ہے۔ ان کی شاعری میں رات، صبح، سورج، سفر اور دھوپ کی علامتیں بھی معنویت کی حامل ہیں۔ جن سے وہ قاری پر پر کائنات کے راز منکشف کرتے ہیں:

دیکھا جو ریگزارِ قمر سے تو میرا گھر
آبِ رواں پہ بہتا ہوا ایک گلاب تھا (۲۲)
اجلی ہوا میں ہم نے دیا ہے پروں کو کھول
اب جس طرف بہے گی ہوا بہتے جائیں گے (۲۳)

"کرہ ارض کے تخلیقی طور ہر بانجھ ہو جانے پر اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے، لیکن یہ بے یقینی اور خوفناک حالات کے باوجود مایوس بھی نہیں ہیں، منفی صورتحال کو بیان کرنے کے بعد دعائیہ انداز اختیار کرتے ہیں۔ اور اُن کے اس دعائیہ انداز میں قبولیت دعا کا یقین شامل ہے۔" (۲۴)

نظم "اک کتھا انوکھی" میں وزیر آغا انہی کیفیات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

سونے والے / باہر آ / اور امرت رس سے بھرا ہوا / مہتاب کا کاسہ / سورج کے ہاتھوں سے لے کر پی / کہ تیری آنکھ سے پھر / کرنوں کا سونا / چشمہ پھوٹ بہے / اس میرے جگ کو / نئے جنم کی / ملے بشارت / میرے مورکھ دل کو بھی آنند ملے۔

وزیر آغا کی شاعری بیم ورجا کے سنگم پر ایستادہ ہے جس میں خوشی اور غم کا سنجوگ ملتا ہے۔ اُن کی شاعری کے اس امتزاجی رنگ کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

"وزیر آغا کا سفر بیک وقت شیفتگی کا باعث بھی ہے اور اس میں کرب کی لہر بھی موجزن ہے۔ یہ مسرت افروز بھی ہے اور اس میں غم کا شائبہ بھی موجود ہے۔ دونوں صورتوں میں وزیر آغا نے غزل کو اپنے صادق اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔ انہوں نے مسرت کو بے جا طور پر اپنے

اوپر طاری کرنے کی کوشش نہیں کی اور غم پر دبیز پردے نہیں ڈالے بلکہ ان دونوں کے امتزاج سے غزل کی مسرت اور افسردگی کا حقیقی مرقع بنادیا ہے۔"(۲۵)

جب نگاہوں سے غم کے آنسو ڈھل جائیں، کرب کے دھندلکے مٹنے لگیں تو مطلع صاف ہو کر زندگی کی راہوں کو جگمگانے لگتا ہے۔ پھر مایوسی کا شکار دل امید کی روشنی میں اک نئے عزم سفر کے ساتھ اپنی منزل کی جانب رواں ہوتا ہے تو لحظہ بھر کے لیے یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ روشنی میں زندگی پنہاں ہے:

اندھیرے کی گلیاں بڑی تنگ دل ہیں
اجالے کا میدان کتنا بڑا ہے(۲۶)

وزیر آغا کی شاعری کا مجموعی جائزہ لیا جائے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انہوں نے تاریخ، تہذیب، اساطیر، مزہب اور نفسیات کو جدید انکشافات کی روشنی، میں دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے جہاں اپنی ابتدائی شاعری میں ملکی سطح پر رونما ہونے والی کچھ ناخوشگوار تبدیلیوں کو دیکھا جس کے اثرات ہمیں مایوسی اور قنوطیت کی صورت میں ان کی شاعری میں ابھرتے دکھائی دیتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا نمایاں پہلو یہ بھی رہا کہ وہ کبھی بھی فطرت کتے اس اصول کی تکذیب نہیں کرتے جس کے تحت خزاں کا ہر موسم اپنے جلو میں بہار نو کا مژدہ سناتا ہے یا ہر تاریکی کے بعد ایک صبحِ روشن طلوع ہوتی ہے جس سے ظلمتوں کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وزیر آغا نے اپنے باطن سے امید کشید کی اور اسے اپنے سلوب کی انفرادیت سے آمیز کر کے صفحہ قرطاس پر روشنی کی کرنیں بکھیرنے کا کام لیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر رشید امجد۔ "وزیر آغا کی نظموں کا فکری پس منظر" مشمولہ، شام کا سورج (مرتبہ ڈاکٹر انور سدید) لاہور: مکتبہ فکر و خیال ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۷۳

۲۔ وزیر آغا کی نظمیں، مرتبہ پروفیسر غلام حسین اظہر، سرگودھا مکتبہ اردو زبان، مارچ ۱۹۷۴ء ص ۱۶

۳۔ وزیر آغا، شام اور سائے، لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۴ ص، ۴۸

۴۔ ایضاً۔ ص ۸۷

۵۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶

۶۔ وزیر آغا کی نظمیں، مرتبہ: غلام احمد اظہر، سرگودھا: مکتبہ اردو زبان۔ ۱۹۷۴ء ص ۱۰۹

۷۔ وزیر آغا، ہم آنکھیں ہیں، لاہور، کاغذی پیر ہن، جون ۲۰۰۱ء۔ ص
۸۔ وزیر آغا، چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل، لاہور: مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۹۱ء، ص۶۸
۹۔ وزیر آغا، چنا ہم نے پہاڑی راستہ، لاہور: کاغذی پیر ہن۔ ۱۹۹۹ء، ص ۳۳
۱۰۔ انور سدید: ڈاکٹر، غزل کے رنگ، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۵۳
۱۱۔ وزیر آغا، چنا ہم نے پہاڑی راستہ، لاہور: کاغذی پیر ہن۔ ۱۹۹۹ء، ص ۴۷
۱۲۔ وزیر آغا، چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل، ص۱۰۶
۱۳۔ وزیر آغا، گھاس میں تتلیاں، لاہور: مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۸۵ء۔ ص ۱۳۱
۱۴۔ وزیر آغا، چہک اُٹھی لفظوں کی چھاگل، ص۷۷
۱۵۔ وزیر آغا، غزلیں، سر گودھا: مکتبہ اردو زبان، ۱۹۷۲ء۔ ص۸۷
۱۶۔ وزیر آغا، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، ص ۱۴۳
۱۷۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، مشمولہ " کشف ذات کی آرزو کا شاعر، مرتبہ طارق حبیب)، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۱۰، ص۶۹
۱۸۔ منظر حنفی، ڈاکٹر، ادبی فیچر اور تقریریں، نئی دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاوس، ۱۹۹۲ء۔ ص ۲۱۶
۱۹۔ وزیر آغا، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، ص۱۴۵
۲۰۔ ایضاً۔، ص ۲۲
۲۱۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، شام اور سائے، لاہور: جدید ناشرین، ۱۹۶۴ء، ص ۶۱
۲۲۔ وزیر آغا، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل۔ لاہور: مکتبہ فکر و خیال، ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۰
۲۳۔ ایضاً۔ ص ۱۵۱
۲۴۔ حیدر قریشی: وزیر آغا، عہد ساز شخصیت، لاہور: نایاب پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۵۵
۲۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، غزل کے رنگ، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۹ء ص ۱۶۷
۲۶۔ وزیر آغا، چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، ص ۸۲